بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

چھ ماہ کی بندش کے بعد آج ترجمان القرآن پھر شائع ہو رہا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

ترجمان القرآن پر جو افتاد پڑی ہے اس کا اجمالی علم تو بیشتر قارئین کو ہو چکا ہوگا، تاہم صحیح صورتِ حال کی تفصیلات سے کم حضرات آگاہ ہوں گے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضروری واقعات یہاں بالاختصار پیش کر دیئے جائیں۔

ترجمان اکتوبر ۱۹۶۳ء کے شمارے میں ایک مضمون "ایران میں دین اور لادینی کی کشمکش" کے زیر عنوان چھاپا گیا تھا۔ اس پر مغربی پاکستان کے شعبۂ اطلاعات کی جانب سے ایک مراسلہ مؤرخہ ۱۲ نومبر ۶۳ء ناشر ترجمان کو وصول ہوا جس میں تحریر تھا کہ مذکورہ بالا مضمون سے حکومت پاکستان اور حکومتِ ایران کے مابین دوستانہ روابط خراب ہونے کا امکان ہے، اس لیے آپ سات دن کے اندر وجہ بتائیں کہ ویسٹ پاکستان پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی ننس ۱۹۶۳ء کے تحت آپ کے خلاف کیوں کارروائی نہ کی جائے، آپ کے رسالے کا ڈیکلریشن معطل کیوں نہ کیا جائے اور آپ سے دس ہزار روپے کی ضمانت کیوں نہ لی جائے۔ اگر آپ بالمشافہ صفائی پیش کرنا چاہیں تو شعبہ مذکورہ کے ڈپٹی سکرٹری صاحب سے ۱۹ نومبر کو ملاقات بھی کر سکتے ہیں۔

اس نوٹس کے جواب میں ۱۸ نومبر کو حسب ذیل توضیحات سیکرٹری صاحب کی خدمت میں تحریراً پیش کی گئیں:

۱۔ ہمارے اکتوبر ۱۹۶۳ء کے شمارے میں "دین اور لادینی کی کشمکش" کے زیر عنوان

جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں کوئی چیز مقالہ نگار نے اپنی طرف سے نہیں لکھی ہے بلکہ وہ ایران اور عراق کے معروف اہلِ علم کی شائع شدہ تحریروں کا خلاصہ ہے۔ اور وہ شائع شدہ مواد ہمارے پاس موجود ہے۔ علاوہ بریں جن واقعات کا اس میں ذکر کیا گیا ہے وہ دنیا کی خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ سے بھی پاکستان کے اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو نوائے وقت لاہور، ۲۵، جنوری ۶۳ء، و ۶ جون ۶۳ء۔

۲۔ اس مضمون کے جواب میں سفارت خانہ ایران کی طرف سے ایک مضمون ہمارے پاس آچکا ہے جسے ہم لفظ بلفظ زیر طبع پرچے میں دے رہے ہیں۔ یہ پرچہ یکم دسمبر ۶۳ء کو شائع ہونے والا ہے۔ کوئی پرچہ اگر تصویر کے دونوں رُخ بے کم و کاست لوگوں کے سامنے رکھ دے تو اس کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے بدنیتی کے ساتھ کام کیا ہے۔ یا اس کے پیش نظر کوئی خرابی برپا کرنا ہے۔ بلکہ یہ فعل دنیا کے معروف آدابِ صحافت سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔

۳۔ مغربی پاکستان کے متعدد اخبارات و رسائل میں متعدد دوست ملکوں اور ان کی حکومتوں کے حالات پر بحث و تنقید کی جاتی رہی ہے۔ ان پر کوئی کارروائی نہ ہونے سے ہم یہ تصور کرنے میں حق بجانب تھے کہ ویسٹ پاکستان پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی ننس کا منشا یہ نہیں ہے کہ دوست ممالک کے اچھے یا بُرے حالات کو شائع کرنا یا ان پر تبصرہ کرنا سرے سے ہی جرم ہے نیز یہ تصور کرنا بھی ہمارے لیے مشکل ہے کہ قانون کا اطلاق سب اخبارات و رسائل پر یکساں نہ ہوگا، یا دوست ممالک کے درمیان فرق کیا جائے گا۔

۴۔ ترجمان القرآن کے متعلق اس طرح کی شکایت پہلی مرتبہ ہی ہوئی ہے۔ اس صورت میں آرڈی ننس کی دفعہ ۲۷ کے تحت تنبیہ پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔"

دسمبر کے پرچے میں سفارت خانہ ایران کی جانب سے موصولہ مضمون شائع کر دیا گیا۔ اس کے بعد حکومت مغربی پاکستان کے ہوم سیکرٹری صاحب کی طرف سے ایک حکم نامہ مورخہ ۱ جنوری ۱۹۶۴ء وصول ہوا جس میں یہ درج تھا کہ ترجمان کے مضمون "ایران میں دین

اور لادینی کی کشمکش" سے چونکہ حکومت پاکستان اور حکومت ایران کے تعلقات بگڑ جانے کا امکان ہے اور نوٹس کے جواب میں اس کے ناشر کی جانب سے پیش کردہ توضیح غیر تسلی بخش ہے، اس لیے گورنر صاحب مغربی پاکستان آرڈی نینس مذکورہ کی دفعہ ۲۴ کے تحت ترجمان القرآن کے ڈیکلریشن کو چھ ماہ کے لیے معطل فرماتے ہیں۔

اس کارروائی کے بعد ۱۲ فروری ۱۹۶۴ء کو مغربی پاکستان ہائی کورٹ میں ناشر ترجمان القرآن کی جانب سے ایک درخواست داخل کی گئی جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ جس آرڈی نینس کے تحت ترجمان کے خلاف کارروائی کی گئی ہے وہ ۱۰ اکتوبر ۶۳ء کو نافذ ہوا ہے اور زیر ترجمان کے جس مضمون پر اعتراض کیا گیا ہے وہ ۲ اکتوبر ۶۳ء کو پریس میں چھپ گیا تھا اور ۵ اکتوبر کو اس کی بڑی تعداد قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھی، اس لیے اس کی اشاعت آرڈی نینس مذکور کی زد میں نہیں آتی۔ اس درخواست میں یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ بیرونی ممالک سے تعلقات کی خرابی کا مسئلہ مرکزی حکومت کے حیطۂ اختیار میں ہے، اس لیے صوبائی حکومت اس ضمن میں کوئی قانون سازی یا انتظامی اقدام نہیں کر سکتی۔ آرڈی نینس مذکور کو اس بنا پر بھی چیلنج کیا گیا تھا کہ یہ دستور کے بنیادی حقوق سے متصادم ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر استدعا کی گئی تھی کہ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی نینس کو بنیادی حقوق کے منافی اور کالعدم قرار دیا جائے اور ترجمان القرآن کی معطلی کا حکم بھی غیر قانونی ٹھہرایا جائے۔

اس درخواست پر عدالت عالیہ نے جلد تاریخ مقرر کرنے کا حکم صادر فرمایا لیکن تقریباً تین ماہ تک کوئی تاریخ متعین نہ ہو سکی۔ اس کے بعد مزید ایک درخواست اس امر کی پیش کی گئی کہ اس مقدمے کی سماعت کے لیے تاریخ کا تعین فرمایا جائے، ورنہ دادرسی کا مقصد فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس پر معزز عدالت نے دوبارہ حکم دیا کہ بہت جلد تاریخ مقرر کی جائے۔ لیکن تاریخ مقرر ہونے سے پہلے پابندی کی میعاد ختم ہو چکی ہے اور یہ پرچہ بندش کی پوری مدت ختم ہو جانے کے بعد اسی وقت پر شائع ہو رہا ہے جس وقت پر یہ عدالت سے رجوع نہ کرنے

کی صورت میں شائع ہوتا۔

قارئینِ ترجمان کو یہ بھی معلوم ہے کہ ترجمان القرآن کی اشاعت پر پابندی کے پانچ روز بعد مدیر ترجمان القرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو بھی جماعت کی مجلسِ شوریٰ کے ارکان سمیت نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اس نظربندی کے جو وجوہ مولانا کو جیل میں حکومتِ پاکستان کی جانب سے بتائے گئے تھے ان میں اس مضمون کی اشاعت کا ذکر کیا گیا تھا جس کی بنا پر ترجمان کو بند کیا گیا تھا۔ اس کا جو جواب مدیر ترجمان القرآن کی جانب سے ہوم سیکرٹری صاحب کو دیا گیا تھا، اس کا متعلقہ حصہ نقل کر دینا مناسب ہوگا، اور وہ یہ ہے:

"آخری الزام آپ کا میرے اوپر یہ ہے کہ میں نے اپنے رسالے ترجمان القرآن کے اکتوبر ۱۹۶۳ء کے پرچے میں ایک مضمون ایران اور اس کے شاہی خاندان کے خلاف شائع کیا تھا۔ اور آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ اس مضمون کی اشاعت سے میرا مقصد ایران کے ساتھ، جو پاکستان کا روایتی حلیف ہے، پاکستان کے تعلقات کو خراب کرنا تھا۔ اس کے جواب میں چند باتیں گذارش کروں گا۔

اولاً، جس مضمون کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ ایران اور عراق کے مشہور علماء کی شائع شدہ تحریروں کا قریب قریب لفظی خلاصہ تھا۔ ان میں سے ایک علماءِ ایران کا ایک مفصل خط ہے جس میں انہوں نے عراق کے سب سے بڑے شیعہ عالم سید ابوالقاسم الخوئی کو خطاب کر کے ایران کے حالات بیان کیے ہیں۔ اور یہ خط "رسالۃ من علماء ایران" کے نام سے نجف اشرف کے النعمان پریس نے شائع کیا ہے۔ دوسرا پمفلٹ خود سید ابوالقاسم الخوئی کا اپنا لکھا ہوا ہے جس میں انہوں نے ایران کے اندر یہودیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کی تفصیل بیان کی ہے اور اس کے خطرناک نتائج پر حکومتِ ایران کو متنبہ کیا ہے۔ یہ پمفلٹ بھی نجف اشرف سے بعنوان "تصریحات خطیرۃ للامام الخوئی" شائع ہوا ہے۔ تیسرا مفصل پمفلٹ "کفاح العلماء الاسلام" کے عنوان سے کربلا کی مجلس ثقافت اسلامیہ نے شائع کیا ہے جس میں ایران کے واقعات کی پوری تفصیل تاریخوں کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے۔

ثانیاً، اس مضمون کی اشاعت کے بعد میرے پاس سفارت خانہ ایران کی طرف سے ایک

تردیدی مضمون آیا اور مَیں نے اسے بھی دسمبر ۶۳ء کے پرچے میں شائع کر دیا۔ (اس رسالے کی ایک کاپی میں بورڈ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور خصوصیت کے ساتھ اس مضمون پر اڈیٹر کی طرف سے جو تعارفی نوٹ دیا گیا ہے اس کی طرف توجہ دلاتا ہوں)۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی رسالہ یا اخبار پوری ایمانداری کے ساتھ دونوں طرف کے بیانات شائع کر دے تو دنیا بھر کے مانے ہوئے اصولِ صحافت کے لحاظ سے اس کی روش پر آخر کیا اعتراض کیا جا سکتا ہے۔

ثالثاً، پاکستان کے اخبارات و رسائل سے مَیں کم و بیش ۵۰ ایسی مثالیں پیش کر سکتا ہوں جن میں ٹرکی، مصر، شام، اردن، سعودی عرب، عراق، کویت اور دوسرے متعدد ملکوں کے متعلق اور ان میں سے بعض کے حکمرانوں کی شخصی زندگیوں کے متعلق اس سے بھی زیادہ سخت مضامین شائع ہوئے ہیں۔ میرے لیے اس وقت جیل میں ان مثالوں کو فراہم کرنا مشکل ہے، لیکن اگر مجھے موقع دیا جائے تو مَیں اصل پرچوں کی کاپیاں پیش کر سکتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ آیا صرف ایران ہی پاکستان کا دوست ملک ہے یا دوسرے ملک بھی ہیں؟ اور اگر یہ دوسرے ملک بھی پاکستان کے دوست ہیں تو ان کے متعلق جو مضامین لکھے گئے تھے ان پر گرفت نہ کرنے اور ترجمان القرآن پر گرفت کرنے کی کیا معقول وجہ ہے؟ مجھے معلوم ہے کہ ترجمان القرآن کو اس جرم کی پاداش میں بند کرنے کے بعد ترازو کے پلڑے برابر کرنے کے لیے لائلپور کے ایک اخبار المنیر کو بھی مصر کے خلاف لکھنے کی سزا دی گئی ہے۔ لیکن اس طرح کے مضامین صرف "المنبر" ہی میں نہیں نکلے ہیں۔ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ مَیں دوسرے متعدد اخبارات و رسائل کے کم و بیش ۵۰ ایسے ہی مضامین پیش کرنے کے لیے حاضر ہوں۔ پھر کیا محض ایک اخبار کے خلاف کارروائی کرنے سے ترازو کے پلڑے برابر ہو جاتے ہیں؟

رابعاً، اس مضمون کی اشاعت کی یہ سزا ترجمان القرآن کو دی جا چکی ہے کہ اسے چھ مہینے کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ اب اسی فعل کی سزا مجھے گرفتار اور قید کرنے کی صورت میں دینا انصاف ہے یا جذبۂ انتقام کا اظہار؟

خامساً ترجمان القرآن کے مضمون کی اشاعت کی ذمہ داری تنہا مجھ پر ہے۔ مَیں شخصی حیثیت

سے اس رسالے کا مالک ہوں۔ جماعت اسلامی کی تشکیل سے بھی پہلے ۹ سال سے میں اس کو شائع کر رہا تھا۔ اس کے انتظام، ادارت، آمد و خرچ کا کوئی تعلق جماعت اسلامی سے نہیں ہے۔ اور نہ وہ جماعت اسلامی کا کسی معنی میں بھی آرگن ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس پرچے میں ایک مضمون شائع ہونے کی ذمہ داری پوری جماعت پر عائد کر دینا اور اس کو خلاف قانون قرار دینے کے علاوہ اس کے پچاس سے زیادہ لیڈروں کو بھی اس گناہ کی پاداش میں قید کر دینا کیا اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ حکومت دراصل جماعت اسلامی کے خلاف خار کھائے بیٹھی تھی اور ہر طرح کے کردہ و ناکردہ جرائم کا الزام اس پر تھوپ دینے کے لیے تلی ہوئی تھی۔

ساد سًا، آپ کو آخر میری اس نیت کا علم کیسے ہوا کہ میں نے وہ مضمون پاکستان اور ایران کے تعلقات خراب کرنے کے لیے شائع کیا تھا؟ دنیا بھر میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی حکومت اپنے ملک کے باشندوں پر زیادتی کرتی ہے اور خود ملک کے باشندے اس کی دراز دستیوں کو روکنے سے عاجز رہ جاتے ہیں تو بیرونی ممالک کی رائے عام کا دباؤ اس پر ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے شہریوں کے ساتھ انصاف کرنے کی ضرورت محسوس کرے۔ ایران کے باشندے ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔ اور ہمیں فطری طور پر ان سے ہمدردی ہے۔ میرے علم میں جب ایران اور عراق کے مستند علماء کی تحریروں سے یہ بات آئی کہ وہاں یہ ظلم ہو رہا ہے تو میں نے اس نیت سے ان کی تحریروں کا خلاصہ شائع کیا کہ ایران کی حکومت پر انصاف کرنے کے لیے اخلاقی اثر ڈالا جا سکے (اسی غرض سے ایران کے ایک دوسرے ہمسایہ ملک عراق کے بھی با اثر لوگوں نے وہ مضامین اور پمفلٹ شائع کیے ہیں جن کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے۔ درحقیقت میرے حاشیۂ خیال میں بھی اس مقصد کا کوئی شائبہ نہ تھا کہ میں اس ذریعہ سے پاکستان اور ایران کے تعلقات خراب کروں۔ لیکن حکومت نے مجھے مجرم ٹھیرانے کے لیے میرے اس فعل کو اپنی طرف سے بدترین معنی پہنا ڈالے اور میرے ساتھ پوری جماعت اسلامی پر یہ الزام عائد کر دیا (جیسا کہ اس کے ۶ جنوری کے پریس نوٹ سے واضح ہے) کہ وہ بھی اس برے مقصد کی حامل ہے۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حکومت ہر ممکن الزام

ہم پر چسپاں کرنے کے لیے کس قدر بے چین ہے ؟

مدیر ترجمان کو جن وجوہ کی بنا پر بار بار حوالۂ زنداں کیا جا چکا ہے ، وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں - دستِ ظلم دراز کرنے والے ، اسے سُننے والے ، اس ملک کے عوام اور بیرونی دنیا کا ایک معتدبہ طبقہ اس دلفگار داستان کی ایک ایک کڑی سے پُوری طرح واقف ہے اور اُن اسباب پر بھی اچھی طرح نظر رکھتا ہے جس کے نتیجہ میں یہ سب کچھ ظہور میں آ رہا ہے اور آئندہ جن کے آنے کی توقع ہے - ان حالات میں ہم منعمِ حقیقی کی بارگاہ میں سراپا سپاس ہیں کہ اس نے ہم جیسے کمزور اور ناتواں افراد کو جن کے پاس علم و عمل کی کوئی پونجی نہیں ایک ایسی آواز بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائی جو مختلف ادوار میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السّلام نے بلند کی تھی اور جسے خاتم المرسلین کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد امت کے ائمہ اور صلحاء نے بڑی دلسوزی اور جراٴت مندی کے ساتھ ہر عہد میں بلند کیا تھا - ہماری آواز اگرچہ نحیف ہے لیکن ہمارا دل اس بات پر پُوری طرح مطمئن ہے کہ یہ آواز بہر حال وہی ہے جس کے بلند ہونے کے ساتھ ہی ظلم و استبداد کے ایوانوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے - جہالت، تنگ نظری، تعصّب، خود غرضی کی قوتیں بوکھلا اُٹھتی ہیں، اور وہ سب مل کر اسے دبانے کی کوشش کرتی ہیں - اس قسم کے نامساعد حالات میں جب ملک کے پُورے ذرائع و وسائل ایک نہایت ہی مختصر طبقہ کے ہاتھ میں ہوں اور وہ اقتدار کے نشے میں اس حد تک بہک چکا ہو کہ کسی معقول سے معقول بات کے سننے سے بھی اُسے ضد اور چڑ پیدا ہوتی ہو، انسان سوائے کارسازِ مطلق کے اور کس ذات پر بھروسہ کر سکتا ہے؟ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَضِلَّ اَوْ نُضَلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا ـ

ترجمان اور مُدیر ترجمان کے ساتھ اس سلوک پر ہم کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے البتہ

ہم اتنی بات عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ جو کچھ ہوا ہے وہ عین توقع کے مطابق ہوا ہے۔ جب ملک کے سیاسی افق پر تاریک گھٹائیں چھا جائیں تو ان کے دامن سے بجلیوں کا گرنا کوئی غیر متوقع عمل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے سوا اگر کوئی دوسری صورت پیدا ہو جائے تو البتہ تعجب کا موجب ہو سکتی ہے۔ ترجمان القرآن جس نصب العین کی طرف مسلمانوں کو بڑھنے کی دعوت دے رہا ہے یہ سب اُس راہ کے سنگِ میل ہیں جن سے آخری منزل کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی اَن ہونی نہیں۔

یہاں ہم پھر ایک بار پوری صفائی کے ساتھ اس امر کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ ترجمان القرآن کوئی تجارتی پرچہ نہیں جس کی پالیسی مادی نفع و نقصان کے میزانیوں کے مطابق متعین ہوتی ہو۔ ہمارے نزدیک مالی سُود و زیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہمارے لیے فیصلہ کُن چیز صرف ایک ہے کہ کسی طرزِ فکر اور کسی طرزِ عمل کے اختیار کرنے میں ہم اپنے خالق و مالک کی کس حد تک رضا جوئی حاصل کر رہے ہیں۔ اپنے آقا و مولا کی خوشنودی ہمارا انتہائے مقصود ہے۔ اگر ہمارے کسی کام سے ہمارا فرمانروائے حقیقی ہم سے خوش ہوتا ہے تو ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ غرض کے بندے اُسے کس نگاہ سے دیکھتے ہیں، یا اقتدار کی جبینوں پر کس انداز کے شکن پڑتے ہیں۔ ہمیں اگر فکر ہے تو خالق کی برہمی کی۔ کیونکہ اس کی برہمی ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں بربادی اور نامرادی کا حکم رکھتی ہے۔ اُس کی نگاہِ التفات ہٹ جانے کے بعد ہماری قسمت میں سوائے محرومی کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

باقی رہا دنیاوی اقتدار کا غیظ و غضب تو اُس کی ہمیں قطعاً کوئی پروا نہیں۔ ہم ہر قسم کی آزمائش کے لیے مالکِ حقیقی سے پناہ مانگتے ہیں۔ اس لیے ہم اسے دعوت نہیں دیتے لیکن اس بات سے پوری طرح واقف ہیں کہ دنیا میں سب سے کمزور اگر کوئی چیز ہے تو وہ اقتدار ہے۔ بیتِ عنکبوت بھی اپنی کوئی بنیاد رکھتا ہے لیکن اقتدار کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔

پھر تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اقتدار کو سمیٹنے اور اسے اپنے حق میں محفوظ کرنے کے لیے جتنی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اتنے ہی اس میں زیادہ رخنے پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ رجحان بالکل غیر فطری ہے اور اس بنا پر جب ایک فرد یا گروہ اس کی تسکین کے لیے غیر معمولی حربے استعمال کرتا ہے تو وہ بعض ایسی حرکات کا مرتکب ہو جاتا ہے جس سے اقتدار کی پوری عمارت ہل جاتی ہے۔ دُور نہ جائیے، آپ ماضیٔ قریب کے آمروں، ہٹلر، مسولینی اور سٹالن کے واقعات پر نگاہ ڈالیے تو آپ کو اس قسم کے رجحانات کے تلخ نتائج کا پوری طرح اندازہ ہو جائے گا۔

اقتدار کو ایک ہاتھ یا چند ہاتھوں میں سمیٹنے اور اُس پر بلا شرکت غیرے قابض رہنے کی امنگ بذاتِ خود کسی صحت مند طرزِ فکر کی آئینہ دار نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی فرد یا گروہ لوگوں کے فطری حقوق اُن سے چھین کر خود انہیں اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا ہے۔ اس امنگ کی تسکین کے لیے برسرِ اقتدار طبقہ سب سے پہلے عوام کی زبانوں پر پہرے بٹھاتا ہے تاکہ وہ اس ظلم و زیادتی کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھا سکیں۔ جبر و تشدد کے خوف سے لوگ خواہ کتنے ہی خاموش رہیں لیکن زبان بندی کے یہ ظالمانہ ہتھکنڈے اُن کے احساسات و جذبات کو تو اُن سے سلب نہیں کر سکتے۔ اُن کے دل میں ہر وقت یہ چھپتا ہوا احساس موجود رہتا ہے کہ انہیں اپنی ایک بنیادی حق سے محروم کیا گیا ہے۔ ایک ظالم فرمانروا اگر کسی غریب کی جھونپڑی کو قوت کے نشے میں مسمار کروا کے اُس سے اپنے محلات کی حدود کو وسیع کرتا ہے تو وہ غریب اگرچہ زبان سے کوئی احتجاج نہیں کر سکتا لیکن اُس کا دل ہمیشہ نالہ و فریاد کرتا ہے کہ اس فرمانروا نے محض طاقت کے ذریعے سے اُسے اس کے ایک بنیادی حق سے محروم کر دیا ہے۔ اُس شخص کے دل میں اس احساس کا پرورش پاتا بادشاہ کے اقتدار کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ اقتدار کی قوت کا انحصار تیر و تفنگ اور لشکر و سپاہ پر نہیں ہوتا بلکہ عوام کی دلی تائید و حمایت پر ہوتا ہے جب

لوگ حکمرانوں کی طرف سے بددل ہونے لگیں۔ اور جنہیں وہ اپنے حقوق کا محافظ اور پاسبان سمجھتے ہوں اُن پر سے اُن کا اعتماد متزلزل ہونے لگے اور وہ انہیں اپنے حقوق کا سلب کرنے والا تصور کرنے لگیں تو پھر "زندہ باد اور پائندہ باد" کے کھوکھلے نعروں کی کوئی اونچی سے اونچی آواز بھی اس اقتدار کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکتی۔ ہٹلر سے زیادہ اپنی قوم کا آخر کون ہمدرد اور خیرخواہ ہو سکتا ہے اور مسولینی سے زیادہ اپنے وطن کے لیے کون ایثار کر سکتا ہے لیکن انسان کے فطری حقوق پر دست درازی انہیں اپنے حسرتناک انجام سے نہ بچا سکی۔ انسان جب تک انسان ہے اپنے حقوق سے فطری طور پر پوری طرح واقف اور آشنا ہے اور ان سے دستبردار ہونے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔

ہمیں اس بات کو بھی کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ اقتدار کا قیام صرف فوج اور پولیس اور سیم وزر کی فراوانی کا رہین منت نہیں ہوتا۔ اگر اس کی زندگی کا دارومدار صرف مادی اشیاء پر ہوتا تو آج ایشیا کی کمزور اور بے بس قومیں کبھی آزاد نہ ہوتیں۔ کسی اقتدار کے فنا و بقا کا فیصلہ اِس دنیا پر نہیں بلکہ عالمِ بالا میں وہ ذات کرتی ہے جس کے ہاتھ میں ہر قسم کے اقتدار کی باگیں ہیں اور جس کے فیصلوں پر کوئی طاقت اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

(آل عمران - ۳)

آپ کہیے: اے سارے ملکوں کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے دے اور تو جس سے چاہے حکومت چھین لے۔ تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

جو لوگ ظلم و استبداد کے بل بوتے پر فرمانروائی کے تخت پر متمکن رہنا چاہتے ہیں انہیں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ ایک احتجاج وہ ہے جس کا اظہار زبان کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ اس احتجاج پر بلاشبہ پابندی لگائی جا سکتی ہے لیکن وہ احتجاج جو مظلوم کی آہ و فغاں بن کر خالق ارض و سما کی بارگاہ میں جاتا ہے اُسے نہ تو کسی طرح دبایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اُس میں کسی قسم کی تاخیر ہو سکتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہیں جو مختلف ہدایات دیں اُن میں ایک ہدایت یہ بھی تھی:

اِتَّقِ دعوۃ المظلوم فانّھا لیس بینھا وبین اللہ حجاب۔	دیکھو، مظلوم کی بددعا سے بچے رہنا، کیونکہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔
(بخاری۔ کتاب المظالم)	

مظلوم کی فریاد سے اللہ تعالیٰ کی غیرت کا فوراً جوش میں آنا اللہ تعالیٰ کے رحیم و کریم اور عادل و منصف اور اپنے بندوں پر انتہائی مشفق و مہربان ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ چیز خود اُس کی عظیم ذات کے وجود کی زبردست دلیل ہے۔

اسلام نے ہمیں کائنات کا جو تصور دیا ہے اس کے مطابق یہ کائنات کسی اندھے بہرے لزوم کی کرشمہ سازی نہیں بلکہ ایک قادر مطلق ذات کی تدبیر اور اس کی حکمتِ بالغہ کا نتیجہ ہے اس لیے یہ کائنات اور اُس کا سارا انتظام حق اور عدل جیسی اخلاقی بنیادوں پر قائم ہے اس بنا پر اس کائنات کے انتظام و انصرام میں فیصلہ کُن چیز کوئی بے حس قوت نہیں بلکہ ایک علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ذات ہے جو ہر چھوٹی بڑی شے اور ہر اہم اور غیر اہم فعل پر پوری نگاہ رکھتی ہے اور دیکھتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس کائنات کی اخلاقی بنیادوں کو نقصان نہ

پہنچنے پائے۔ وہ ذات اپنی حکمت کے تحت ظلم و زیادتی کو تھوڑی دیر گوارا کر لیتی ہے تاکہ اس کی جگہ لینے والی قوتوں کی اخلاقی تربیت ہو سکے۔ لیکن وہ کسی قوت کو اس بات کا موقع نہیں دیتی کہ وہ اس کائنات کی اخلاقی اساس کو کوئی معمولی صدمہ بھی پہنچا سکے۔

اگر اس کارگاہِ حیات میں صرف قوت و طاقت کی علمبرداری ہوتی تو پھر تاریخ کے اوراق "تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" سبق آموز تذکروں سے یکسر خالی ہوتے۔ اس صورت میں جو فرد یا گروہ ایک مرتبہ اقتدار پر قبضہ حاصل کر کے قوت کو غلام بنانے میں کامیاب ہو جاتا، اس کی ہمیشہ بالادستی قائم رہتی اور کوئی دوسرا گروہ اُسے اس کے بلند منصب سے ہٹانے کی جرأت نہ کرتا لیکن تاریخ کے صفحات اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ کچھ لوگ اٹھے اور انھوں نے اپنی قوت فکر و عمل سے اقتدار کی عنان اپنے ہاتھ میں سنبھالی اور پھر قوم اور ملک کے وسائل پر پوری طرح تسلط حاصل کر کے انہیں کاموں پر صرف کرنا شروع کیا جس سے اس کائنات میں حق اور انصاف کا خون ہوتا تھا اور جبر و استبداد کو تقویت پہنچتی تھی۔ اسی جبر کے تحت یکایک ایک نئی قوت اُبھری، جو ہر قسم کے مادی وسائل سے محروم تھی۔ حکمران طاقت نے اس نوزائیدہ قوت کا ہر طرح راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن اس کے سارے حربوں کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی اور بالآخر اسے اقتدار سے دستکش ہونا پڑا۔ اس مسلسل تغیر و تبدل کا سبب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ جو فرد یا گروہ بھی طاقت کے نشے میں بدمست ہو کر اس کائنات کی اخلاقی بنیادوں کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے قوت و طاقت کے باوجود اُسے ختم کر دیا جاتا ہے:

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ	کتنی ہی خطاکار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ
فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ	کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پر اُلٹی پڑی
وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ	ہیں۔ کتنے ہی کنوئیں بیکار، اور کتنے ہی قصر

تَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج - ۴۶)

کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ سو کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے ہیں جن سے یہ سمجھنے لگتے یا کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ سننے لگتے، اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

ظالم اور ستمگر جب بھی انسانیت کے کسی طبقے کو اپنے مظالم کا تختۂ مشق بناتے ہیں تو اُس وقت اُن کے ذہن پر یہ باطل خیال پوری طرح چھایا ہوتا ہے کہ یہاں اُن کے مقابلے میں کوئی بالاتر قوت ایسی نہیں جو اُن کی ستمرانیوں پر کوئی گرفت کر سکے۔ اقتدار کے نشے میں بہک کر وہ اپنی ذات کے حدود کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گو وہ زبان سے اپنی خدائی کا دعویٰ نہ کریں لیکن عملاً وہ اپنے آپ کو معبود ہی سمجھتے ہیں۔ یہ زعمِ باطل اللہ تعالیٰ کے وجود، اُس کی ہمہ گیر قدرت وطاقت اور اُس کی قوت احتساب کے خلاف کھلا چیلنج ہے۔ جس کے ڈانڈے شرک اور کفر سے ملے ہوئے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں نہایت واضح الفاظ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

اَلْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (البقرہ - ۲۵۴)

اور ظالم اصل میں وہی ہیں جو کفر کی روش اختیار کرتے ہیں۔

برسرِ اقتدار گروہ جتنا زیادہ ظالم اور جابر ہو گا اتنا ہی اُس ملک کے نظم و نسق میں اختلال اور بگاڑ پیدا ہو گا۔ ہر ظالم آمر ہونے کے ساتھ ساتھ پرلے درجے کا خوشامد پسند بھی ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص اُس کے ظلم و استبداد پر اسے ٹوکنے کے بجائے اس پر مدح و ستائش کے ڈونگرے

برسائے تاکہ اُس کے نفس امارہ کو غذا فراہم ہو سکے ۔ اس کمزوری کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظالموں اور سفاکوں کے گرد ہمیشہ مصاحبوں کا ہجوم رہتا ہے جو ہر وقت اس بات میں مصروف رہتا ہے کہ کسی طرح اس شخص کو ٹھوس حقائق کی تلخیوں سے دوچار نہ ہونے دیا جائے ۔ اُس کی ظالمانہ کارروائیوں سے ملک کے اندر بددلی پھیلتی ہے لیکن یہ ظالم گروہ اُسے مختلف طریقوں سے یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ عوام کے اندر غیر معمولی اعتماد پیدا ہو رہا ہے اور وہ حضور کو اپنا واحد نجات دہندہ خیال کرتے ہیں اور آپ کے اشارۂ ابرو پر اپنی گردنیں کٹوانے کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں بلکہ ملک کی عظیم اکثریت بھوک اور افلاس کی وجہ سے سخت پریشان ہوتی ہے لیکن وہ اپنی چرب زبانی سے "حضور" کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ملک خوشحالی کی راہ پر گامزن ہے لہٰذا لوگوں پر زیادہ سے زیادہ محصولات عائد کر کے اُن سے رقم بٹورنی چاہیے ۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ طبقہ جو موجودہ حکمرانوں کو اس قسم کی خوش کن مگر نکمی باتیں سُنا کر اُن کا مزہ کرکرا نہیں ہونے دیتا ہے ۔ یہ فرض ان سے پہلے فرمانرواؤں کے ساتھ بھی اسی مہارت اور پابندئ کے ساتھ سرانجام دے کر انھیں تخت و تاج سے محروم کر چکا ہوتا ہے اور اپنی وفاداریاں نئے سربراہوں سے وابستہ کر کے انہیں بھی اُن کے پیش روؤں کی طرح "سب اچھا ہے" کے مسحور کن ترانے سنا سنا کر مختلف قسم کی غلط فہمیوں یا خوش فہمیوں میں مبتلا کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو جاتا ہے ۔ معلوم نہیں خوشامد میں کیا سحر ہے کہ اقتدار پر فائز لوگ فوراً اس کے زیر اثر آجاتے ہیں اور مصاحبین کے اخلاص کو جانتے ہوتے بھی وہ ان پر بھروسہ کر لیتے ہیں ۔

علم النفس نے اس روش کی جہاں تک تحقیق کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے لیے سب سے کٹھن، صبر آزما اور مشکل منزل یہ ہے کہ اس کے اور اس کے ضمیر کے درمیان سارے حجابات ہٹا کر اسے اُس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا جائے ۔ ایک انسان سب سے زیادہ اسی مقابلے سے خوفزدہ ہوتا ہے ۔ گریبان میں منہ ڈالنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں بلکہ جان جوکھوں کا کام ہے

اور اس کی جرأت وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے ضمیر بدعنوانیوں کی وجہ سے سیاہ نہ ہو چکے ہوں۔ اس بنا پر ظالم حکمرانوں کے ہاں صرف انہیں لوگوں کی پزیرائی ہوتی ہے جو اُن کے اور اُن کے ضمیر کے مابین نقاب کا کام دیں اور اُن کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض و ملعون وہ افراد یا گروہ ہوتے ہیں جو انہیں ان کی غلطیوں پر ٹوکیں۔ انہیں ان کے فرائض سے آگاہ کریں، انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور ان کی کوتاہیوں کی نشاندہی کریں۔

انسانی فطرت کے جتنے داعیات ہیں اُن میں سے اگر کسی داعیہ کو بھی جائز طریقے سے پورا نہ کیا جاتے تو وہ اپنے فطری حق کو وصول کرنے کے لیے بُرے ناجائز طریقے نکال لیتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے کہ یورپ کی جن قوموں نے اولاد کو بوجھ سمجھ کر اس کی ذمہ داریاں قبول کرنے سے گریز کیا ہے وہاں، اولاد کی فطری محبت اور شفقت نے کتوں اور بلیوں سے لگاؤ اور وابستگی کی صورت پیدا کر لی ہے اور وہاں کے لوگ ان جانوروں سے اسی قسم کا انس کرتے ہیں جو انسانوں کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔

انسان نے بلاشبہ فطرت کے اس مطالبہ کو کسی دوسرے انداز میں کسی حد تک پورا کر لیا ہے لیکن جب بھی اس کے لیے فطرت کا تجویز کردہ معقول اور مناسب راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائیگا تو وہ لازمی طور پر فطری طریق سے پست اور فروتر ہوگا۔ اور انسانی جبلت کی اُس حد تک تسکین نہ ہو سکے گی جس کا وہ تقاضا کرتی ہے۔

انسانیت کے مختلف داعیات میں ایک زبردست داعیہ یہ بھی ہے کہ وہ کسی بالاتر ہستی کی عقیدت اور محبت کو اپنے دل میں جاگزیں کرے، اُس کی رضا جوئی کے لیے سرگرداں ہو، اُس کی خوشنودی کی خاطر اپنے سکھ، چین، آرام بلکہ زندگی کو تیاگ دینے پر آمادہ ہو جاتے۔ جو اُس ہستی کا مخالف اور دشمن ہو اُس کو اپنا حریف سمجھے اور جو اُس ہستی کا خیر خواہ اور عقیدتمند ہو اُسے اپنا حلیف اور خیر خواہ خیال کرے۔ الغرض اُس کی موافقت و مخالفت، اُس کی دوستی

(باقی صفحہ پر)